

دلبرن میں جس کے ایک بھی تارِ وفا نہیں ہے

ہنست زہرا ثانی

اس نے میرے ہاتھوں پر مہندی لگائی جب
میں نے چار جز پوچھے تو اس نے کہنے سے صاف انکار
کر دیا۔ میرے اصرار پر بولی کہ ”نہیں ابھی نہیں پھر
حساب برابر کر لوں گی شاید زیادہ ہی وصول کر لوں۔“
میں نے سادہ سے انداز میں سادہ سی بات سمجھی شاید وہ
اپنی شادی پر بھاری گفت لیتا چاہ رہی تھی اور پھر ایک
دن ایسا آیا کہ اس نے چار جز اتنے اور اتنے زیادہ
وصول کیے کہ کوئی شمار نہیں تھا.....



دلبرن میں جس کے ایک بھی تیار وفا نہیں لے

بنت زہرا عثمانی

اس نے میرے ہاتھوں پر مہندی لگائی جب میں نے چار جزو چمکے تو اس نے لینے سے صاف انکار کر دیا۔ میرے اصرار پر بولی کہ ”تمہیں ابھی نہیں پھر حساب برابر کرلوں گی شاید زیادہ ہی وصول کرلوں۔“ میں نے سادہ سے انداز میں سادہ سی بات بھی شاید وہ اپنی شادی پر بھاری گفٹ لینا چاہ رہی تھی اور پھر ایک دن ایسا آیا کہ اس نے چار جزو اتنے اور اتنے زیادہ وصول کیے کہ کوئی شمار نہیں تھا.....



تھے وہ کیوں نہیں پلٹتے تھے..... اس لیے کہ مجھے تو اس گھر میں آنا تھا..... اور اپنے اس ذاتی تجربے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ وہ لڑکیاں جو شادی نہ ہونے سے خود بھی پریشان رہتی ہیں اور اپنی مایوسی سے اپنے گھر والوں کو بھی نفسیاتی دباؤ میں رکھتی ہیں بلکہ کبھی کبھی اپنے لیے اگلے سیدھے فیصلے بھی کر جاتی ہیں وہ نا بوجھ اور عاقبت نااندیش ہوتی ہیں..... تمہارے ڈیڑی سے اپنی شادی کے بعد میرا اس بات پر پکا یقین ہو گیا ہے کہ جوڑے آسمان پر بنتے ہیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کس کا مقدر کس کے ساتھ لکھا ہے۔“

”آپ مجھے یہ سمجھانے کی کوشش کر رہی ہیں کہ مجھے شادی کے لیے فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔“ یمنی مسکراتے ہوئے بولی۔

”تمہی کو نہیں..... کسی بھی لڑکی کو نہ فکر مند ہونا چاہیے نہ مایوس..... البتہ دعا ضرور کرنی چاہیے کہ اچھے لوگوں سے تعلق جڑے، اچھا شریک زندگی ملے۔“

”اس کا مطلب ہے آپ بہت دعا کرتی ہوں گی..... تبھی تو آپ کو ڈیڑی جیسا شریک زندگی ملا ہے۔“

”شکر کرتی ہوں اپنے رب کا..... اللہ کرے تمہارا نصیب بھی کسی اچھے انسان کے ساتھ کھلے۔“

”مجھے تو دعا مانگنے کی ضرورت ہی نہیں..... آپ جو ہیں میرے لیے دعا مانگنے کو.....“ یمنی نے خوش دلی سے کہا۔

”حاجت مند کو خود بھی دعا مانگنی چاہیے میری جان۔“

”یو آر گریٹ سوٹ ماما.....“ یمنی بہت لاڈ سے اس سے لپٹ گئی۔ ایقہ نے اسے اپنی ہانہوں میں سمیٹ لیا۔

انہیں دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ وہ سوتیلی ماں بیٹی تھیں..... ایقہ کی شادی میں تاخیر اسی لیے ہوئی کہ اسے ماں سے محروم ہو جانے والے پانچ بچوں کی ماں بننا تھا۔

سو ہر لڑکی کو راضی بہ رضامند ہونا لازم!

لیے وہ غلط آغاز ہے جہاں سے اس کے لیے آزمائش شروع ہوتی ہے اس آزمائش سے گزر گئے تو فیہا پھنس گئے تو اتنا اللہ.....“

یمنی ہنس دی۔

”کچا کہہ رہی ہوں میری جان۔“

”آپ مجھے ڈرائے دے رہی ہیں۔“

”خدا نہ کرے، میں تمہاری ماں ہوں..... ویل وشر ہوں تمہاری..... خدا خواستہ میں کیوں ڈراؤں گی تمہیں۔“

”میں مذاق کر رہی ہوں۔“ یمنی کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔

”مگر میں بالکل سنجیدہ ہوں اور آج تمہیں وہ بات سمجھانے کی کوشش کروں گی جو تمہاری ماں ہونے کے ناتے میرا فرض بنتا ہے۔“ ایقہ نے توقف کیا۔

یمنی تجسس دکھائی دینے لگی۔ ”دیکھو بیٹا۔“ ایقہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بولی۔ ”شادی ہر لڑکی کی تمنا ہوتی ہے..... میری بھی تھی، رشتے آتے مگر کہیں بات نہیں بنتی۔ میں اتنی مایوس ہو گئی کہ مجھے رشتے والوں کے آنے سے چڑھوس ہونے لگی۔ مجھے لگتا شادی ہونا میری قسمت ہی میں نہیں۔ اوپر سے پوچھنے والے جان عذاب کیے رکھتے۔ شادی ہو گئی؟ کیوں نہیں ہوئی؟ وغیرہ، وغیرہ تمہاری مدد خدا ان کی مغفرت کرے انہوں نے بھی اپنی کوششوں سے میرے لیے دو رشتے بھجوائے مگر وہاں بھی بات نہیں بن سکی..... اب تم اللہ کی رضا دیکھو کہ تمہاری ہی بیچاری دنیا سے چلی گئیں اور اللہ نے ان کی جگہ مجھے تمہارے گھر میں بھیج دیا۔“

”اب تو آپ کا گھر ہے ماما۔“ یمنی بولی۔

”تمہاری محبت اور سعادت مندی ہے میری جان.....“ ایقہ نے اسے پیار کیا پھر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ”اللہ گواہ ہے یمنی کہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی یہ بات کہ میری شادی تمہارے ڈیڑی سے ہوگی..... اب مجھ میں آتا ہے کہ وہ جو رشتے میرے لیے دیا کرتے تھے اور ان کے پلٹ کر نہ آنے پر مجھ سمیت تمام گھر والے پریشان اور فکر مند ہو جایا کرتے

”جی بہتر..... ٹھیک ہے۔“ وہ بھی ہوئی جواب دہتی۔ اسی میں اس کی بہتری تھی، وہ من مار کر شاد رہنے کی کوشش کرتی یہ لفظ کہ جودل بھی ہے اور حرف میں بھی ہر زاویے سے یہ دوحرفی لفظ مارنا اس کا سمجھوتا تھا، اس کی ماں نے بھی تو شوہر کی اطاعت اور خدمت کی تھی مگر وہ بھی باندی بن کر تو نہیں رہی تھی۔ یہ تو محبت اور اپنائیت کا رشتہ تھا، دونوں طرف کسی خوش قربانیاں دی جاتیں، بوک جھوک اور گلے شکوے بھی ہوتے واقعی ہوتا بھی کچھ یوں ہے اداہر تقاضا ہوتا ہے کہ عمر گزار دیتیجے اور ادھر سر تسلیم خم کرتے ہوئے عمر گزار دی جاتی ہے کوئی نقصان کوئی خسارہ ذرا بھی محسوس نہیں ہوتا مگر انسان کی ہندی نہیں بلکہ باندی بن کر رہتا کتابے بس کر دینے والا عمل ہے۔

لیکن یہاں تک بھی بس ہو جاتا تو سہ لیا جاتا مگر پھر حکم یہ تھا کہ ساری دنیا کو اس نے بس قید کر پتا بھی نہیں چلتا چاہیے یوں دنیا دکھلاوے کو لبرل ہونے کی پالش ہوئی اور اندرون خانہ ایک عجیب قانون نافذ ہوتا۔ کمال اس کے کمال مضبوط کو آزمانے لگا اور اس کو سمجھوتا کرنا تھا ”کمال کا سمجھوتا“ یا ”کمال سے سمجھوتا“۔ ایک ہی بات تھی۔

صوفی کو میکے والے تسلی دینے کہ چلو یہ امتحان کے دن سمجھ کر گزارو ذرا سی آزمائش ہے اس میں کسی طرح پوری اتر جاؤ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا، آپس کا اعتماد بحال ہو جائے گا پھر اللہ کرم کرے گا خوش خبری آجائے گی تو سب ٹھیک لگے گا۔ بچہ ہوتا ہی ایسی چیز ہے نعت غیر مترقبہ مگر صوفی یہاں کیسے بتاتی، کسے بتاتی کہ کمال اس سلسلے میں کیا کہتا ہے، کتنا منفرد تھا وہ اور مردوں سے۔

”بھئی ابھی تم میرے سانچے میں ڈھلو تو ساتھ دو، ابھی ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ایڈجسٹ ہوئیں۔ پھر سوچیں گے۔“ وہ کچھ کہتی تو سننے کو بھی خوب ملتا۔

”پھر بحث کر رہی ہوں، ارے میں تمہیں کیسے

ساری ٹوٹ پھوٹ کی ابتدا ہوتی ہے مرد کا کچھ بھروسہ نہیں کم از کم آج کے دور میں تو بالکل نہیں بٹال دے گئے وہ زمانے جب مرد سخت گیر تو بہت ہوا کرتے تھے مگر اپنے گھر اور گھر والی سے بالکل غصے ہوتے تھے، اپنی ذمہ داری کو اپنی غیرت سمجھتے تھے، بلکہ صوفی تو اس نے گھر میں آتے ہی بے بس کر دی گئی تھی، کسی بھی یہ غلامی اسیویں صدی کے کمپیوٹرائزڈ دور کے لبرل مرد کی غلامی.....

کمال عجیب باتیں کرتا تھا جس میں اس کو گرانے کا پیغام چھپا ہوتا مثلاً ”میں کو پتا ہے خالہ حمیدہ جو اماں کی چچا زاد ہیں ان کی بیٹی موتا نے میرے رشتے سے انکار کر دیا تھا۔ دماغ ساتویں آسمان پر رہتا ہے اس کا پھر دو سال پہلے اس کی شادی ہوئی سال بھر تک اولاد کا نام و نشان تک نہ ہوا تو اب شوہر نے باہر جا کر شادی کر لی، بیجاری یا سمجھ ہے اور ماں کے گھر میں رہتی ہے مگر رسی جل گئی بل نہ کیا میں تو رشتے داروں کی وجہ سے چلا جاتا ہوں مگر تم کو وہاں لے جا کر ذلیل نہیں کرنا چاہتا۔“ وہ اس کے دل میں عجیب سے واہموں کے بیج بوتا اور ساتھ ساتھ دہشت بھی بٹھاتا جاتا۔

”ارے چھوڑیں۔ اب ایسی بھی کیا رشتے داری کزن وہ بھی دور کی آج کل کل سنگے رشتوں کے لیے ٹائم نکالنا مشکل ہے یہ تو اللہ میاں کے پچھواڑے کا ناتا ہوا۔“ وہ دلیل سے اس پیدا ہوتے واہمے کو ختم کرنا چاہتی تا کہ ان کے درمیان شک کا کوئی بیج نہ پھینکے۔ ”یہ تم مجھے کچھ سکھانے کی کوشش مت کرنا، عورت، مرد سے کم تر ہے اور رہے گی، مجھ پر زیادہ رعب نہ ڈالنا سمجھیں۔“ وہ بیک بیک طیش میں آ جاتا۔

”مگر کون سی عورت کم تر ہے کمال صاحب! شریک حیات یا بے نام رشتے سے بڑی عورت۔“ وہ جرات سے کہتی۔

”تم میرے سامنے جرح مت کرو دیگر بیڑی پانی اسے نہیں ہو کر یلو عورت گھریلو رہے تو اچھا ہے۔“ حکم دیا جاتا۔

زخم اندر سے باہر کی چوٹیں ساری ٹوٹ پھوٹ اس کی نشانیاں ابھی باقی تھیں جواب صرف اس کی ہی تھیں۔

مرد اور عورت کا ایک بندھن میں بندھ جانا کچھ اور ہی تقاضے کرتا ہے اور دونوں طرف سے کرتا ہے مگر چند روز ہی میں کمال نے اس کو بتا دیا تھا کہ ”تم میری پسند ہو، نہ ہی مجھ کو نا پسند تم جتنی ہوتی رہو ہاں مجھ کو پابند کرنے کا سوچنا بھی نہیں، میں مرد ہوں اور تم کو کوئی حق نہیں کہ یہ سوال کرو کہ میں کس سے ملتا ہوں اور کیوں ملتا ہوں، پروفیشنل لائف میں دس عورتوں سے ملنا پڑتا ہے اور ہنس، ہنس کر ملنا ضروری ہوتا ہے (مگر یہ تو صرف پروفیشنل حد تک ہوتا ہے) اور سنو! کچھ رشتے کتابوں میں نہیں لکھے ہوتے جو خوبی ہوتے ہیں نہ ہی قانونی مگر بھانے پڑتے ہیں۔“ صوفیہ نے مرد کا یہ روپ کب دیکھا تھا وقت پر گھر آنے والے ابو، بھائی، چچا، تایا اور ماموں نے تو اپنے گھر کی عورتوں کو اتنا حکم کی باندی بنا کر رکھا نہیں تھا اس کے اپنے ماں، باپ کے گھر یا د جود باپ کے اتنا سخت روایتی ہونے کے یہ مسئلہ اس نے دیکھا ہی کب تھا، مرد اپنے کام سے کام رکھتے، عورتیں پردہ کرکٹیں تو وہ بھی دوسری عورتوں سے کم آئیں مگر احترام کا رویہ رکھتے..... ساتھ بٹھ کر تبادلہ خیال تو دور کی بات کوئی پڑوسن یا آٹنی یا ملنے والی آجائیں تو آئیے بھابی، آئیے بہن کہہ کر احترام امانت کنارہ کش ہو جاتے، اسے یہ انداز بڑا مہذب یا شائستہ لگتا مگر یہ مرد جو اس کا شوہر تھا اچھا خاصا لبرل ہونے کا دعویدار تھا مگر اس کے اندر ایک تنگ نظر اور تنگ دل آدمی چھپا ہوا تھا اور وہ خالصتاً ایک گھریلو لڑکی تھی۔ اس کی ماں بھی ایک گھریلو عورت تھی سوائے اس کے کہ کپڑے ہی کر کچھ اضافی اخراجات پورے کرنے کو بچت کر کے کتنی ڈال لی یا اس نے ٹیوشن کر کے کچھ اپنے اخراجات پورے کر لیے۔

اس کی ماں نے جہاں اس کو فصاحت کی تھی کہ ”خواہش تو ایک طرف اپنی ضرورت کو بھی مار لینا وہیں اس کو تاکید کی تھی کہ شوہر پر نظر رکھنا، بھٹکنے نہ پائے بس یہیں سے

یہ چار جز (معاوضہ) کیا تھے۔ قیامت تھی جو مجھ پر کچھ اس طرح ٹوٹی کہ ہر دن آج برسوں بعد بھی پہلا ہی دن لگتا ہے۔

میں چاروں شانے چت گری تھی۔ اعتماد بھروسا اپنائیت اور میرا مان سب کا ہی تو خون ہو چکا تھا۔ سات آسمان تھے جو گر پڑے تھے مگر بظاہر سب تر جیب سے تھا۔ لوگ کہہ رہے تھے کہ چلو ایک باب ختم ہوا مگر کوئی مجھ سے پوچھے، مجھ سے جانے کہ کتنے باب تھے جو ہر جانب مکمل رہے تھے کپڑے کے بے بسی کے بے یقینی کے اور باقی در تباہی کے ہر اک طرف اندھیرے جنگلوں کی وحشت تھی، زندگی اتنی بھی بھیا تک ہوئی تھی، یہ سب کیا ہو گیا مگر کیوں؟ آخر کیوں؟

ہاں یہ سب حقیقت تھی ایک زندہ حقیقت مگر کس قدر بھیا تک کیا ہی کوئی خواب اتنا بھیا تک ہو گا میں جو اپنا سب کچھ اس پر وار چکی تھی، اس کی زندگی میں کہیں بھی ہی نہیں کہیں بھی نہیں۔

مجھ کو اب اس زہریلی حقیقت کے ساتھ مر، مر کے جینا تھا۔ میرا کچھ جو پہلے ہی زخمی تھا، غم سے پھنا جا رہا تھا۔ اور آہ کی صورت کی سوال ابھر رہے تھے پھر کتنے، تر پتے اور بچے سوالات، کیا وہ مجھ سے اتنی شدید نفرت کرتا رہا بلکہ کیا کوئی مرد اس عورت سے جو راضی خوشی اس کی زندگی میں آئے اتنی بھی نفرت کر سکتا تھا۔ یہ سوال سب سے اہم تھا۔

یہ صوفیہ تھی جو سکتے ہوئے در شوہر کو اپنے پہ آئی افتاد کی کھانسا رہی تھی سننے والی حیرت، غم اور تجسس کے لیے جلے انداز میں اپنی پچھری دوست کی باتیں سن رہی تھی جو چند روز قبل اس کو اتنا قریبی لیکٹک میں ملی تھی۔ اس نے پہلی دو ملاقاتوں میں سر راہ سرسری باتیں کیں اپنے شوہر کا تذکرہ گول کر گئی مگر آج جب... در شوہر کے اصرار پر اس کے گھر پہنچی تو اس نے خود پر گزرنے والی قیامت کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔

اس کا شوہر کمال ایسا آزاد پسندی تھا جو اڑ چکا تھا اب اس کا کچھ نہ تھا مگر جسم سے روح نکل رہے ہوئے

السلام علیکم

FAMOUS URDU NOVELS, BOOKS BANK (ویب سائٹ) ہمیں اپنے بلاگز

PRIME URDU NOVELS, FREE URDU DIGEST, READING CORNER

کے لئے ناول رائیٹرز کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری پوسٹ کروانا چاہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل کریں یا ہمارے گروپ اور چیچ پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ یا واٹس ایپ پر بھی کانٹیکٹ کر سکتے ہیں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- aatish2kx@gmail.com

Facebook ID :- www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Group :- **FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST**

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUSSION

ہے، کیوں اتنا لگاؤ ہے۔“ وہ گھبرا کر زربل بولی۔
اس بات پر اس کے خدشات بہر حال فطری تھے۔ کاش مونا کمال کو بھی نہ ٹھکرائی اور اس کی بیوی ہوتی، وہ تو اس دہشت زدہ زندگی سے بچی رہتی اور پتا چلتا مونا کو بھی اور کمال کو بھی، وہ سوچ رہی تھی مگر ساتھ ہی کمال کی دی گئی اطلاع اس کے لیے سکون کا باعث تھی کہ چلو اب اس کا گھر دوبارہ بس جائے گا تو وہ سکون کی سانس لے گئی اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔
”کیوں، کیا سوچنے لگیں تم۔“ کمال اس کے چہرے کے رنگوں میں کوئی سوال تلاش کرنے لگا۔
”ہاں بہت اچھی خبر ہے مگر آپ کیوں بیگانے کی شادی میں عبد اللہ دیوانے بنے ہوئے ہیں، اپنی بات کریں ہماری شادی کو دوسرا سال ہے ہم ابھی تک دوہی ہیں کوئی آتے، آتے رہ گیا آپ کی احتیاط کے چکر میں۔ میری طبیعت اب خراب رہنے لگی ہے کیا ہوگا عجیب پرانہ رہنے لگی ہے، ہر چیز بے رونق ہو کر رہ گئی ہے۔“ وہ سو گوار سے بولی۔
”ارے ابھی شادی کی پہلی سالگرہ یہ تم کو اتنا تو خوش کیا، گفت دیے، آؤنگ پر گئے ٹینگ منائی، تمہارے ساتھ تو اتنا بدلا ہوں مگر یہ بچے کے لیے ابھی وقت بڑا ہے اتنی ڈسٹرپ اور شکی رہو گی تو بچہ کیا اس کا باپ بھی نہیں ملے گا۔“ وہ اپنی ہی تریک میں بولے گیا۔
”ارے اللہ نہ کرے یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں، آپ کے دم سے تو سب کچھ ہے اللہ ہمارا ساتھ تاحیات رکھے، آئیں۔“ وہ گھبرا کر کہہ رہی تھی۔
”اچھا جان! تم مجھ سے واقعی اتنی ہی انچید ہو؟“ وہ اس کو آزار مارا تھا۔
”اس میں کیا شک ہے بھلا، میں تو آپ کے لیے ساری دنیا چھوڑ دوں۔“ وہ جیسے اس کو یقین دلا کر اس کی محبت میں سے مزید کچھ اعتماد و چاہ رہی تھی جو اس کا حق تھا۔
یوں دھوپ چھاؤں کے سلسلے چلتے رہے۔ مونا کے ذکر پر کوئی گھبراہٹ فطری طور پر اب نہیں ہوتی تھی

ایک ماہ سے زیادہ عرصہ ماں کے گھر گزار رہا تھا ان دنوں پتا چلا کہ مونا کو جو پہلے ہی مطلق زندگی گزار رہی تھی مطلق ہو گئی ہے وجہ وہی بانجھ پن۔
”ہائے بیجاری مونا۔۔۔۔۔“ کمال نے صوفیہ سے کرہ کرتے ہوئے ٹھنڈی آہ بھری۔ صوفیہ کو یہ بات عجیب لگا بے شک اس پر پہاڑ ٹوٹا تھا مگر اس کی اس طرح سے ہمدردی شک کے کئی درکھول گئی تھی۔
آخر بھی کمال نے اس سے شادی کے لیے ہاتھ دیا تھا اور اس نے انکار کر دیا تھا پھر وہ حسرت بھرے لہجے میں اس بات کا ذکر کرتا تو اس کے اندر ایک فطری سر اٹھاتا پڑا ہوا جھک دیتی، خدشات کو شک و شبہ کو ارد ہلا دینے والے خطرے کو۔
ادھر دیر سے، دیر سے کمال کا رویہ صوفیہ کے ساتھ بہتر ہوتا گیا، صوفیہ کو نقصان اور اذیت کا جو غم تھا اس پر کمال کا تھوڑا نرم پڑ جاتا اس احساس کو کم کرتا گیا۔ کمال والوں نے نقصان کے بعد دلجوئی تو کیا کی، ان کی آزادی کے ہی تاثر قائم رکھے تب بھی وہ سہہ گئی ہمارا کر گئی، شوہر کا قدرے بہتر رویہ، عزت افزائی اور وار رہنے کی قسمیں۔ عورت کا سارا مان ہی اس کے ہاتھ دھو رہا ہے اگرچہ اب بھی وہ اکثر دیر سے گھر آتا، شادی رشتوں کی اہمیت بھی ظاہر کرتا مگر پھر بھی قیمت دے رہی تھی۔
مگر اب بھی ایک خیال اسے جکڑے رکھتا اے! کمال نے اس کے لیے اتنی غفلت کا ہرہ نہ کیا ہوتا تو اس کے آگن میں بھی ایک پھول رہا ہوتا۔
وہ کھل رہی تھی اپنی عزت نفس کی پامالی اپنی بے وقفی پر۔

☆☆☆

”ارے تم کو پتا ہے مونا کے رشتے کی بات چل رہی ہے۔“ کمال نے اطلاع دی، وہ اسی کی طرف اشارہ تھا ہمدردی بھی تو رشتے داری کا تقاضا تھی۔
”یا اللہ یہ مونا، مونا ہر وقت کہاں سے آ جاتی

ہسپتال لے جانا گھر والے کمال کو یہ سمجھا چکے تھے کہ زیادہ چونچلے کر کے دماغ خراب نہ کرنا، میکے میں خبر کرنا بھی ایسا ضروری نہیں سمجھا گیا۔ درد کے جھٹکے سب سے بستر پر وہ رات جانے کس طرح نلڑی یہ صرف جس پر گزرتے وہ جانے یا اس کے بعد وہ جس کو احساس ہو مگر احساس ہی کا تو رونا تھا۔
صبح جب اس کی ماں کو اطلاع دی گئی تو خاصی تاخیر ہو گئی۔
”میرے اللہ، میرے اللہ یہ کیا ہو رہا ہے، ماں کو بلا دے کوئی۔“ پہلی بار میں بیجاری لڑکی کو کیا پتا ہوتا ہے، کیا ہو رہا ہے مگر تھ ہے جڑ بکار لوگوں پر اور ان کی غفلتوں پر جو اپنی فرعونیت جتانے کے لیے نخی جان سے بھی کھیل جاتے ہیں۔

☆☆☆

ہسپتال کے بیڈ پر نیم جان مرلیضہ کچھ کھانے پر غم زدہ تو تھی ہی مگر کرب و اذیت کا لہر، لہر اس پر بھاری تھا، اذیت کچھ پانے پر جھیلی جاتے تو اس اذیت سے بہت کم ہوتی ہے جو کھودینے کے لیے اٹھائی جاتی پھر مگر جب نلی ہی تو بچ ڈالی جاتے تو۔۔۔۔۔ درد کی ہر لہر خوف نچوڑ لیتی ہے نلی کی مسل دی گئی تھی۔ غفلتوں اور بے حس رویوں کے ہاتھوں۔
کمال اب شرمندہ ہونے لگا تھا حالانکہ وہ صوفیہ کے خوابوں کا مجرم تھا مگر یہ خواب تنہا نہیں دیکھے جاتے، اندھیروں میں لک کر نکل چکی اور غائب ہو گئی تھی۔ صوفیہ کا وجود جیسے چھلنی ہوئے جا رہا تھا۔
”چلو صوفیہ جو ہوا سو ہوا، تمہاری تکلیف پر مجھے بھی بڑا افسوس ہے تم تو میری اپنی ہوا بنائے کچھ کرتی رہتی کر گیا۔“ صوفیہ کے ماتھے پر ایک ہاتھ رکھ کر دوسرے ہاتھ سے اس کے آنسو پونچھے جا رہا تھا وہ۔ اتنا کھونے اور اذیت اٹھانے کے باوجود صوفیہ کے لیے یہ مہربانی بھی حیران کن اور خوش آئند تھی جو وہ اپنے تند خو شوہر کے رویے میں دیکھ رہی تھی۔
کتنے کم ہیں خوش ہونے والی تھی وہ بھی۔ اس

وہیں رہو فارغ ہو تو آ جانا۔“
ادھر کمال بیزاری اور لائق کے انداز رکھتا جیسے نعمت نہیں مصیبت ملنے والی ہے، بہار کا جھونکا آتے ہی خزاں رسیدہ روئیے برتے جا رہے تھے۔
اسی دن تو حد ہو گئی صوفیہ کی طبیعت بہت گری، گرمی سی بھی بارش نے اپنا زور دکھایا، اسے ماں کا گھر یاد آ رہا تھا مگر یہاں کا ماحول کتنا نا مانوس تھا اچانک سانس کی آواز پہنچ گئی۔
”صوفیہ یہ فرش پر بارش کا کتنا پانی جمع ہو گیا ہے اس کو اونپر لگا دو، ایسا بھی کیا بیٹھ جانا ماسی تو دم کے لیے رکھ دی ہے ناں۔“ وہ خاصی در دھکی سے بولیں کمال ماں کے آگے چپ تھا شریک حیات اور شریک خواب۔
”جی۔۔۔۔۔ جی اچھا۔“ وہ چارو تار چار اٹھ رہی تھی مگر اس سے زیادہ کچھ نہ کیا گیا۔
”کمال پلینز، میری طبیعت ایسی نہیں ہے کچھ نہیں ہو رہا مجھ سے۔“ وہ جیسے کسی جرم کی صفائی دے رہی تھی۔
”ایسا بھی کیا مسئلہ بنا دیا ہے، ساری دنیا کی عورتیں ایسی حالتوں میں گھر اور باہر دونوں جگہ کام کرتی ہیں جاؤ تو ہم۔“ کمال نے اس کے ہاتھ سے وانپر لے کر چلانا شروع کیا جیسے وہ اس پر بڑا احسان کر رہا ہو، نظر سے لے کر تک نہ ہی اظہار تھا۔
وہ تو پہلے ہی بے حال تھی ذاتی اذیت سے مزید پکان ہو کر رو پڑی۔ ”کیا کسی کو بھی میرا کوئی خیال نہیں۔“ زربل کہتے ہوئے وہ چکرائی اور ایک دم گر پڑی۔ عطا کی خوش خبری اس کی خطا کیوں بنا دی گئی۔ درد کی ایک لہر اٹھی اس کی چیخ نکل گئی حالت خراب ہوئی گئی کمال نے اسے اٹھایا اور بستر پر لٹا دیا۔ ”یہ کیا، یہ کیا۔“ وہ کہہ رہا تھا۔
آج کل تو دیہات کے لوگوں کو بھی سمجھایا جاتا ہے کہ ایسی علامتوں میں فوری ہسپتال لے جانا چاہیے ورنہ خطرہ ہے مگر یہ بھی تو ایک درد تھا، نرہ سمجھا جاتا تھا کہ گھر میں بھی تو آرام کیا جاسکتا ہے، اتنی سی بات پر کیا ماہنامہ پاکیزہ۔ اپریل 2018ء 110



ایک سہارے کی آہیں

نامید فاطمہ حسنین

یا اپنی انگلی کی پوروں سے ان کے پتے آنسو پونچھ دیتا۔
تھک ہار کر آخر کو انہوں نے خود کو دیوار سے ٹک
دیا۔ اب سسکیاں تو تھیں لیکن بچنے آنسو ختم کچکے تھے۔
انہیں یہی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ان سے غلطی کہاں سرزد ہوئی
تھی..... چوک کہاں ہوئی تھی؟ اپنی دانست میں تو انہوں
نے ایسا کچھ کیا ہی نہیں تھا جس کی وہ سزا بھگت رہی
تھیں..... یا مکافات کے پھیرے گزر رہی تھیں۔
دراصل ہوتا یوں ہے جب تک بندہ ظلم کر رہا ہوتا

وہ بالکل بے بس و بے اختیار ہو کر اپنی اگلیوں کو
پر بھیرنے لگیں۔ یوں جیسے اپنے ان مکت بے
سب سوالات کے جوابات ڈھونڈ رہی ہوں۔ آنکھوں
پر پوری کٹوروں میں بھرے نمکین پانی نے سامنے کا
بالکل دھندلا دیا تھا۔ کمرے کی فضا بچکیوں اور
لوں سے گونج رہی تھی۔

انہیں اب تک اپنے اچھے سوالوں کے جواب کا سرا
ل رہا تھا۔ نہ وہاں کوئی تھا جو انہیں اپنا کا ندھا پیش کرتا

ہوتا..... لذتوں کی رنگین دنیا کے گھیرے اندر جس
کھروں کی مدھر چاندنی کو گل رہے ہیں صوفی بھی اس
کی زد میں آگئی تھی۔
در شہوار آنسوؤں کے ساتھ اس کے لٹنے کی
داستان سن رہی تھی۔

گھروں کے تباہ شدہ لمبے پرسنگ منائی آہیں بھرتی
اور فریاد کرتی سستی ساوڑی عورتیں وفا کر کے سب تیاگ کر
بھی نقصان میں ہی ہوتی ہیں شاید وہ اسحق ہی ہوتی ہیں
اب اتنا بھی کیا بچاؤ ہوئے جانا کہ جاں سے ہی گزر
جائیں..... آف..... یہ مشرقی وہ بھی پاکستانی عورت.....

سچ ہے.....
جیون کھیل نہیں جاناں
آگ اور پانی، دھول اور شبنم
ان کا میل نہیں جاناں

”صوفیہ رنگ حنا کے چار جز اتنے بھی بھاری پا
سکتے ہیں حساب تو کروڑوں میں گیا یا اس سے بھی آگے
مگر دوست یہ تو یک طرفہ محبت اور وفا کا نوحہ ہے جہاں
آگ اور پانی نہیں مل سکتے۔ دریا کے دو کنارے.....“
در شہوار اسے لکٹی دے رہی تھی۔

”تم سمجھو کہ میں اس کے بنا کیسے جی رہی ہوں
جینے کی کوشش کر بھی لوں تو ساج جینے نہیں دیتا، مجھ کو
ایسی بھینک سزا کیوں ملی آخر.....“ اس کے پاس بے
قرار، بے حساب سوالات تھے۔

”نادان لڑکی تم اپنے بغیر کیسے جیتی رہیں، اپنے
لپے اور اپنے خدا کے لیے جیو اور اسی سے آس لگاؤ،
آگے خیر کرے گا۔“ در شہوار اس کے آنسو پونچھ رہی تھی۔
پہلے کے مرد بظاہر سخت ہوتے تھے مگر ذہن دار
غیرت مند اور با وفا مگر آج کے رنگین، معاشقے اور
لذت بھر گلیہرا نزد دنیا، رنگ و وفا کو چھپا کیے جا رہی ہے
اور یہ ہمیشہ دو طرفہ ہوتا ہے، صوفیہ لمبے پٹیمی وفا اور
بے وفائی کا سبب جان گئی تھی۔ مجبوراً صفت کیا وفا لہا
سکتا ہے بھلا؟

دلیل سے تھرا یہ آلودہ جملہ دماغ میں پھٹنے کی سی کیفیت
پیدا کر رہا تھا، پاؤں تلے زمین نہیں تھی یا آسمان دھواں
بن گیا تھا ہر ایسی بات چھوٹی تھی اور حقیقت حال کہیں
بڑی اور کہیں بھینک تھی، اس کی ماں بھی نا بھگی کی
کیفیت میں اسے سنبھالے جا رہی تھیں وہ بے ہوشی سے
پھر ہوش میں آ کر بلک، بلک کر روئی۔

”کمال کی کاروبار میں مصروف تھا وہ اتنی حد پار
کر سکتا تھا؟ کیا وہ مجھ سے اتنی نفرت کرنا تھا اپنی
زیادہ.....“ اس کے پاس بے کل سے سوالات ہی تو
تھے اس نے کسی طرح اس کو مطلع کر ہی دیا وہ حق دق رہ
گئیں۔ بچی کو بسانے کی خاطر کیا، کیا جتن نہیں کرنے
پڑتے پھر بھی نہ بے موت سے بدتر ساں ہوتا ہے وہ
تڑپ کر بدعا نہیں دے رہی تھیں۔

”امی جی، کمال بے غیرتی کی انتہا پر جا چکا ہے مگر
اس کو کہہ دیں کہ مجھ کو مت چھوڑے، مرد کا نام بھی کافی
ہوتا آپ ہی تو کہتی تھیں ناں اس سے کہہ دیں ماں وہ
دوسری کیا تیسری بھی کر لیں مگر میرا گھر نہ اجاڑیں۔“ وہ
اس حد تک بھی راضی تھی۔

”بیٹا تم نے پوچھا وہ ہے کون ڈائن، کسی دشمنی نکال
رہی ہے تم سے آخر؟“ ماں کے سوالات فطری تھے۔
”ہاں امی وہی جس نے شادی کی پہلی ساگرہ پر
میرے ہاتھوں پر مہندی لگائی تھی یعنی مونا، مونا۔“
دماغ میں دھماکے ہورہے تھے۔

”تو مونا نے مہندی لگانے کے چار جز تمہاری وفا
اور تمہارے گھر کا خون کر کے لے لیے کیا، کبھی حنا
مہندی کے چار جز آگ و خون سے لیے جاتے ہیں۔“
ماں اس کے آنسو پونچھنے جا رہی تھیں۔

”ہاں، مونا کا رشتہ کمال سے طے تھا، وہ باجھ تھی
تو یہ تو قدرت کی رضامندی کمال کو بچے نہیں چاہیے دیا بھر
سے نرالا مرد ہے وہ۔“ صوفیہ بولے جا رہی تھی بے ربط
سے اعزاز میں۔

..... مونا سو کن کیسے سہہ سکتی تھی، وہ لذتوں کی رنگین
دنیا کی باسی تھی جس میں وفا کا رنگ نہیں